



ایک غیر سنجیدہ کالم

مفتی منیب الرحمن

ہمارے وہ کرم فرما جو بحرِ پانا میں غوطہ زن ہیں اور جے آئی ٹی جو گوہرِ نایاب لے کر آئی ہے، اس پر داد و تحسین کا لامتناہی سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں یا وہ جو اسے ردی کی ٹوکری کی غذا قرار دے رہے ہیں، وہ اس کالم کو ہرگز نہ پڑھیں۔ یہ انہیں بے مزہ بلکہ بد مزہ کر دے گا۔ آپ پر لازم ہے کہ آپ ٹیلی ویژن اسکرین کے ساتھ جڑے رہیں، بوریٹ محسوس ہو تو چینل بدل لیں اور اخبارات کا بالاستیعاب مطالعہ کریں، یہ ہماری قومی تاریخ کا اہم موڑ ہے، اس کا ایک ایک پل اور ایک ایک منظر آپ کے دماغ کی اسکرین پر اور ذہن رسا کے خزانہ معلومات میں محفوظ رہنا چاہیے۔ اسی طرح اخبارات میں اس موضوع پر لکھا ہوا ہر لفظ آپ کو ازبر ہونا چاہیے، قوموں کی تاریخ میں ایسے انقلابی موڑ کم آتے ہیں۔ عزت مآب جناب جسٹس اعجاز افضل خان نے نہایت درست کہا تھا کہ ان کا صادر کیا ہوا فیصلہ سوسال تک یاد رکھا جائے گا۔ سوسال بعد کیا ہوگا، اس کا علم تو عالم الغیب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پاس ہے۔ ہمیں تو چوبیس گھنٹے بعد آنے والے کل کی بھی خبر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی موت کس جگہ واقع ہوگی، بے شک اللہ ہی خوب جاننے والا بہت باخبر ہے، (لقمان: 34)۔“ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں اگلے پل کی بھی خبر نہیں ہے، ہماری یقینی متاعِ حیات فقط لمحہ موجود ہے۔ لیکن اس وقت جو قیامت کا منظر ہوا ہے، وہ یقیناً دیدنی ہے، ہر سوشل مچا ہوا ہے، آئینی و قانونی ماہرین، تجزیہ کاروں، اینکر پرسنز اور سیاسی رہنماؤں کی طلب میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے۔

مگر اس سارے بارونق منظر سے لطف اندوز نہ ہونے کا سبب ہماری بد ذوقی ہے، اسی بنا پر ہمیں ٹیلی ویژن کے خبرنامے کی ہیڈ لائنز، اخبارات کی جلی سرخیوں، جھلکیوں اور ٹیلی ویژن اسکرین کے نیچے چلنے والے لکڑ پر اکتفا کرنی پڑتی ہے، اس سے آگے ہماری ذہنی قوت ہاضمہ جواب دے دیتی ہے، کسی نے کہا تھا: ”خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر۔“ ہم زبان و بیان کی اصلاح، اسلوب نگارش کی آموختگی اور اندازِ تحریر کی چاشنی سے لطف اندوز ہونے کے لیے بعض کالم پڑھ لیا کرتے تھے، مگر آج کل چونکہ گنگا الٹی نہیں بہہ رہی بلکہ ناک کی سیدھ میں مرکزی دھارے پر بہہ رہی ہے، اس لیے طبیعت جلد اکتا جاتی ہے اور نظریں جمائے رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم حلفیہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے نہ کوئی خبرنامہ مین و عن دیکھا اور سنا ہے اور نہ کوئی خبر بالاستیعاب پورے متن کے ساتھ

پڑھی ہے، اس لیے اس بارے میں ہماری معلومات ناقص و نامتتام ہیں، البتہ انقلاب آگیا تو سب کے ساتھ ہم بھی دیکھ لیں گے۔ کسی نے بال تراشنے والے حجام سے پوچھا تھا: ”میرے سر پر کتنے بال ہیں، اس نے جواب دیا: تھوڑی دیر میں سب بال گود میں آجائیں گے، خود گن لینا۔“

پس ہم اس پورے منظر سے ہٹ کر کلرز سے استفادہ کرتے ہوئے آپ کو آنے والے وقت سے خبردار کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ایک ٹکڑ میں درج تھا: ”جے آئی ٹی کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ شریف خاندان کا رہن سہن اور لائف اسٹائل ان کی آمدنی سے مطابقت نہیں رکھتا۔“ تحقیق و تفتیش اور عدل جہاں گہری و نوشیروانی کا یہ معیار معاشرے کے تمام طبقات کی ایک بہت بڑی تعداد کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ اس وقت تو شریفوں کی گردن پھنسی ہوئی ہے، کیونکہ پچھنڈا اسی میں فٹ آگیا ہے، مگر اس سے دوسروں کا بچ نکلنا بھی آسان نظر نہیں آتا۔ سیاست دان، سابق و موجودہ بیوروکریٹس، ماتحت عدلیہ کے جج صاحبان و دیگر عملہ، صنعتکار، سرمایہ دار، تاجر، زمیندار و جاگیردار، پیر، میر، فقیر، واعظین، خطباء و ذاکرین، عالمین، گلوکار، نعت خواں و قوال وغیرہ اور معاشرے کے دیگر طبقات، الغرض شاید ہی کوئی بچ سکے۔ ذرا رک کر سمجھنے کی کوشش کیجیے، ذرائع آمدنی سے مراد قانونی آمدنی ہے، جو آپ نے اپنے انکم ٹیکس ریٹرن میں درج کی ہوئی ہے، جسے عرف عام میں سفید دھن کہا جاتا ہے، یہاں شرعی معیار پر حلال آمدنی مراد نہیں ہے۔ بس تھوڑا سا انتظار کیجیے کہ سپریم کورٹ آف پاکستان اس رپورٹ کو من و عن سند قبولیت و توثیق عطا کر کے اپنے حتمی فیصلے کا حصہ بنائے۔ آپ جہاں بھی رہتے ہیں، ذرا اپنے ارد گرد پوری گہرائی و گیرائی سے جائزہ لیجیے، آپ کو بہت بڑی تعداد میں ایسے مجرمین نظر آئیں گے، جن کا لائف اسٹائل ان کی انکم ٹیکس ریٹرن میں ظاہر کردہ آمدنی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بس ضرورت اس امر کی ہے کہ ٹریفک سارجنٹ کے ساتھ ایک انکم ٹیکس کا کارندہ اور ایک قومی ادارہ احتساب کا نمائندہ ہونا چاہیے، جو بڑی کار دیکھے تو ڈرائیونگ لائسنس سے پہلے اس کا انکم ٹیکس ریٹرن دیکھے اور مطابقت نظر نہ آئے تو گاڑی سمیت دھر لے، کئی JITS بنائی پڑیں گی اور روزگار کے بے شمار مواقع پیدا ہوں گے۔ ہر مکان کے مکینوں کا جائزہ لے، تمام پر قییش اسٹورز پر جائزہ لینے والے موجود ہوں، ریاست کا بھلا ہوگا، معاشرے میں برپا ہونے والی ابتری کو سردست چھوڑیے، پھر کسی نے 1990ء میں کوئی مکان بالفرض پانچ لاکھ روپے میں بنایا ہے، تو نیب اور انکم ٹیکس والے آج کی مارکیٹ میں اس کی قیمت پانچ کروڑ لگا سکتے ہیں، دیکھیے حساب اور سرخرو ہو جائیے۔ گزشتہ ہفتے میں ایک دوست کی صاحبزادی کے نکاح کی تقریب میں شرکت کی خاطر تین دن کے لیے دہلی گیا تھا، لوگوں نے بتایا کہ بے شمار پاکباز و پاک دامن لوگوں کے اٹائے وہاں موجود ہیں، متحدہ عرب امارات، ملائیشیا، برطانیہ، امریکا و کینیڈا کی داستانیں اس سے الگ ہیں۔

میں آپ کو ایک لطیفہ نہیں بلکہ حقیقی واقعہ بتا رہا ہوں: ”میں اپنے دو سوم بلع گز کے مکان میں، جو پنجاب کے سات مرلے سے کچھ کم رقبہ ہے، فرسٹ فلور پر رہتا ہوں، ہماری گراؤنڈ فلور پر ایک ہمارے کرایہ دار رہتے ہیں۔ انہوں نے کافی دنوں سے اپنے ایک دوست کی قیمتی گاڑی جس کی قیمت ڈیڑھ کروڑ روپے بتائی جاتی ہے، ہمارے مکان کے متصل خالی پلاٹ پر کھڑی کی ہوئی ہے اور کبھی میرے مین گیٹ کے سامنے کی جگہ خالی ہو تو وہاں لا کر کھڑی کر دیتے ہیں۔ ہم خود حیران ہیں کہ ڈیڑھ کروڑ کی گاڑی ہے اور مالک کے

پاس اپنے مکان میں یا مکان سے باہر اس کے کھڑے کرنے کے لیے جگہ نہیں ہے، جب کہ میرے مکان کی موجودہ مالیت سے بھی اس کار کی قیمت ڈبل بتائی جا رہی ہے، واللہ اعلم بالصواب، مبالغہ بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ گزشتہ جمعۃ المبارک کو دو منچلے لڑکے نماز جمعہ کے لیے جا رہے تھے، انہوں نے اپنی دو رکعتی جے آئی ٹی بنائی اور گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”دیکھو تو سہی! مولوی اور یہ گاڑی“۔ اس جملے کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ایسی گاڑی تو کسی کلکٹر کشم یا انکم ٹیکس انسپکٹر یا کم از کم ایس ایس پی پولیس یا کسی بڑے تاجروں یا صنعتکار یا کسی اسمگلر کے دروازے کے باہر ہی نظر آنی چاہیے، یہاں اس کا کیا جواز ہے؟۔ دوسرا یہ کہ مولوی نامی مخلوق کا یہ استحقاق کہاں کہ اس جیسی گاڑی کا مالک بنے، اس کے لیے اگر گاڑی ضروری ہی ہو تو کوئی کھٹارا قسم کی ہونی چاہیے یا اس کے لیے موٹر سائیکل بھی بسا غنیمت ہے۔“ میں سوچ رہا تھا کہ اگر کوئی میرے دروازے کے باہر کھڑی اس گاڑی کی تصویر بنا کر خدا نخواستہ سوشل میڈیا پر پوسٹ کر دے تو میں کس کس کو مطمئن کروں گا اور کیسے کروں گا۔ ایئر پورٹ پر اکثر لکھا دیکھا ہے: ”کوئی مشتبہ چیز پڑی نظر آئے تو فوراً سول ایوی ایشن کے عملے یا ایئر پورٹ سیکورٹی فورس کو مطلع کریں۔“ سو میں مطلع کر رہا ہوں، اگر کوئی اس گاڑی کی بنیاد پر کسی کے خلاف کارروائی کرنا چاہے تو ضرور کرے، مگر مجھے معاف رکھے۔ اسی طرح جو قربانی کے ایام آرہے ہیں، احتساب کے اداروں کو وہاں اپنے دفتر قائم کرنے چاہئیں، جن کے ساتھ ایف بی آر کا بھی نمائندہ ہو اور جو کوئی دس لاکھ سے پچیس لاکھ تک کا جانور خریدے، ایف بی آر کے ریکارڈ سے اس کی آمدنی اور اس کی مناسبت کا جائزہ لے اور یہ کہ آیا اس میں ان قربانیوں کا حوالہ کہیں موجود ہے۔ وہاں پر اسٹاک ایکسیج کو زیور بر کرنے والے اہل ثروت کی کروڑوں کی قربانیوں کے نظارے کا بھی موقع ملے گا۔

باقی اس منظر میں سب کے لیے درس عبرت ہے۔ یہاں کی عدالت اور احتساب کا تو بعض لطف اٹھا رہے ہیں اور بعض کی ٹیمیں اٹھ رہی ہیں۔ ذرا سوچیے! بندہ انسانوں کے بنائے ہوئے شکنجہ احتساب یا انتقام میں پھنس جائے تو بیچ نکلتا کس قدر دشوار ہے اور پنجرے میں کتنا ترپتا اور پھڑپھڑاتا ہے، اگر خداوندِ جبار و قہار و قوی و مقتدر اور مقسط، جس نے خود اپنی شان ”عَزَّیْزٌ ذُو الْاَنْتِقَامِ“ (غالب انتقام لینے والا) بتائی ہے، جب اُس کی عدالت میں احتساب ہوگا اور جواب طلبی ہوگی تو بیچ نکلتا کس قدر دشوار ہوگا، جبکہ اُس نے یہ بھی فرمایا: ”بے شک تمہارے پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے، (البروج: 12)“۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: ”تم خود ہی اپنا حساب کر لو، قبل اس کے کہ خداوندِ قادر و قوی تم کی عدالت میں تمہارا حساب لیا جائے اور اپنے (خیر و شر) کا وزن خود کر لو، قبل اس کے کہ آخرت کے میزانِ عدل میں تمہارے نامہ اعمال کو تول جائے اور سب سے بڑی پیشی کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لو، جس دن کہ تمہیں وہاں پیش کیا جائے گا اور پھر تمہاری کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی، (مصنف ابن ابی شیبہ 34459)۔“ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی بے مقصد پیدا فرمایا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے، پس اللہ سچا بادشاہ، اس سے بہت بلند ہے (کہ وہ بے مقصد کام کرے)، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہی عزت والے عرش کا مالک ہے، (المومنون 115-116)۔“

(روزنامہ دنیا، 15 جولائی 2017ء)